مولانا شبیر احمد خاں غوری

اسلام کی علمی تاریخ میں
علّامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی تصانیف کا مقام

(۵) فلسفہ و حکمت

۱۔ حواشی ورکنار حکمۃ العین

شرح حکمۃ العین

"حکمۃ العین" فلسفہ و حکمت میں نجم الدین کاتبی قزوینی کا ایک متن متین ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ الٰہیات میں اور دوسرا حصہ طبعیات میں۔ شمسیہ کی طرح "حکمۃ العین" کی بھی شرح قطب الدین رازی نے لکھی تھی چنانچہ ان کے تذکرے میں امام الدین ریاضی نے لکھا ہے:

"عالم المحققین ظاہر القطبین محور فلک الحکمۃ والدین المولیٰ قطب الدین رازی ..... تصانیف مفیدہ تصنیف فرمودہ۔ ازاں جملہ است ..... شرح شمسیہ منطق تصنیف مولانا نجم الدین علی کاتبی و شرح حکمت العین کاتبی مذکور"

(تذکرہ باغستان ورق ۲۷۴ الف)

"شرح حکمۃ العین" نے جلد ہی معقولات کے اعلیٰ نصاب میں اپنا مقام حاصل کرلیا۔ مشاہیر فضلائے اسلام میں سے محقق دوانی نے بھی اس کتاب پر حاشیہ لکھا تھا۔

"شرح حکمۃ العین" ہندوستان میں

دسویں صدی ہجری کے اندر "شرح حکمۃ العین" کی اہمیت ہندوستان میں بھی مسلم ہوگئی تھی، بالخصوص مولانا وجیہ الدین گجراتی رحمہ اللہ کے یہاں چنانچہ مولانا خوش حال تاشکندیؒ نے جو ابتدا میں مولانا وجیہ الدینؒ سے کسب فیض کرتے تھے، دیگر کتب معقولات کے علاوہ "حکمۃ العین" بھی ان کے یہاں

پڑھی تھی چنانچہ عبدالباقی نہاوندی نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے:

"ملا خوش حال خلف الصدق مولانا قاسم تاشقندی است ..... در اوائل طالب علمی شرح ہدایہ و حکمۃ العین و شرح تجرید حاشیۂ قدیم و شرح چغمینی و تحریر اقلیدس حل نمودہ۔" (مآثر رحیمی جلد سوم حصہ اول صفحہ ۲۲)

شرح حکمۃ العین کے پڑھنے پڑھانے کا رواج ہمارے زمانہ تک رہا ہے چنانچہ راقم الحروف کے زمانۂ طالب علمی میں اس کے استاد مولانا امان اللہ خاں بخاری حضرت مفتی امانت اللہ صاحب ابن اسرالعلما مولانا مفتی لطف اللہ صاحب سے "شرح حکمۃ العین" پڑھا کرتے تھے۔ آج معقولات کی کساد بازاری کے پیش نظر "شرح حکمۃ العین" کا تو رواج نہیں ہے مگر ہنوز اس کا "متن حکمۃ العین" اتر پردیش کے امتحان عالم کے نصاب میں داخل ہے۔

علامہ عبدالحکیم اور حکمۃ العین کا تحشیہ

تدریس کے علاوہ "شرح حکمۃ العین" علمائے ہند کے تحشیہ کا بھی موضوع رہی ہے۔ دسویں صدی ہجری کے علما میں سے مولانا وجیہ الدین گجراتی نے حسب تصریح آزاد بلگرامی (مآثر الکرام صفحہ ۱۹۷) "شرح حکمۃ العین" پر بھی حاشیہ لکھا تھا۔

یہ کتاب غالباً علامہ سیالکوٹی کے یہاں بھی پڑھائی جاتی تھی اور اسی تقریب سے انھوں نے اس پر حاشیہ لکھا تھا۔

۲۔ حواشی درکنار شرح ہدایۃ الحکمۃ

ہدایۃ الحکمۃ ابہری کا مختصر تعارف

"ہدایۃ الحکمۃ" اثیرالدین ابہری کا منطق و فلسفہ میں ایک مختصر متن ہے جس کے تین حصے ہیں، پہلا حصہ منطق پر، دوسرا طبیعیات میں اور تیسرا الٰہیات پر۔ اس تقسیم کی تہ میں جو تاریخی عوامل کارفرما رہے ہیں ان کا اجمالی تذکرہ مستحسن معلوم ہوتا ہے۔

یونانی فلسفہ کا ممثل اعظم ارسطو تھا، اس نے غالباً فلسفہ و حکمت کی جملہ شاخوں پر لکھا تھا۔ بعد میں اس کی تصنیفات کی نئے طور سے جماعت بندی کی گئی جس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی۔

جب یونانی فلسفہ مسلمانوں میں منتقل ہوا تو چوتھی صدی تک اسی جماعت بندی کا اتباع کیا گیا۔ مگر

جب پانچویں صدی کے آغاز میں شیخ بو علی سینا کا تتوع ہوا تو اس نے اس پر نظر ثانی کی۔ بعد میں مسلمان مصنفین فلسفہ و حکمت نے فلسفہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا: حکمت نظری اور حکمت عملی۔ مقدم الذکر کو پھر تین اقسام میں تقسیم کیا گیا: طبیعیات، ریاضیات اور الٰہیات۔ اسی طرح مؤخر الذکر (حکمت عملی) کو تین اقسام میں تقسیم کیا گیا: فلسفۂ اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن۔ اس تقسیم در تقسیم میں منطق کا نام نہیں آتا تھا اس لیے منطق کو حکمت نظری کے تحت کر دیا گیا۔

ادھر حکمت عملی کی اقسام ثلثہ (اخلاقیات، تدبیر منزل اور سیاست مدن)، شریعت اسلامیہ کے انسان دوستانہ اور مبنی بر انصاف قوانین کے مقابلے میں تقویم پارینہ بن گئی۔ اس لیے بو علی سینا کے زمانہ ہی میں فلسفہ کے ارکان اربعہ چار رہ گئے: منطق، طبیعیات، ریاضیات اور الٰہیات۔ چنانچہ شیخ نے جو فلسفہ کی قاموس "کتاب الشفا" کے نام سے لکھی وہ انھیں چار اجزا پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس کی "کتاب النجاۃ" اور "دانش نامہ علائی" انھیں چار اجزا کو حاوی تھے۔

مگر بعد میں تین وجوہ سے بھی ہو ریاضیات کے ساتھ اعتنا فلاسفہ کے حلقہ میں کم ہو گیا۔ یوں بھی فلسفہ اور ریاضی کے متخصصین دو علاحدہ علاحدہ جماعتوں میں بٹ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب فلسفہ و حکمت کے تین اجزا رہ گئے: منطق، طبیعیات اور الٰہیات۔ چنانچہ خود شیخ بو علی سینا کی کتاب الشفا اور کتاب النجاۃ کے عام طور پر یہی تین اجزا ملتے ہیں۔ "ریاضیات شفا" کے نسخے کم یاب بلکہ نایاب ہیں۔

بہرحال بعد کے مصنفین نے اسی سہ گانی تقسیم کا اتباع کیا اور اسی اتباع کے نتیجے میں اثیر الدین الابہری نے "ہدایۃ الحکمۃ" کو تین حصوں پر تقسیم کیا۔ پہلا حصہ منطق پر، دوسرا طبیعیات پر اور تیسرا الٰہیات پر۔ ان تین حصوں میں سے حصہ منطق کا عام طور سے رواج نہیں ہے۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ اس پر صرف قطب الدین جیلی نے شرح لکھی تھی۔

طبیعیات میں تین فن ہیں: عام الاجسام، فلکیات اور عنصریات۔ اس طرح یہ ارسطاطالیسی طبیعیات کے جملہ مباحث پر مشتمل ہے کیوں کہ متاخرین پیروان ارسطو نے جو اس کے طبیعیات سے متعلق کتابوں کی تقسیم کی تھی، انھیں آٹھ اجزا میں تقسیم کیا تھا: کتاب السماع طبیعی، کتاب السما والعالم، کتاب الکون والفساد، کتاب الآثار العلویہ، کتاب المعدنیات، کتاب النباتات، کتاب الحیوان اور کتاب النفس۔ ان اجزائے ثمانیہ میں سے "کتاب السماع الطبیعی" کے مباحث

ہدایۃ الحکمۃ کے فن "مایعم الاجسام" میں آگئے ہیں اور "کتاب السماء و العالم" کی ابحاث متعلقہ افلاک فن "فلکیات" میں آگئی ہیں۔ "فن عنصریات" کو الابہری نے چھ فصلوں پر تقسیم کیا ہے۔ ان میں سے پہلی فصل "بسائط عنصریہ" ارسطو کی کتاب "السماء و العالم" کی ابحاث متعلقہ کائنات تحت القمری نیز "کتاب الکون و الفساد" کے مباحث پر۔ دوسری فصل "کائنات الجو" ارسطو کی "کتاب الآثار العلویہ" کے مباحث پر۔ تیسری فصل "فی المعادن" اس کی "کتاب المعدنیات" کے مباحث پر۔ چوتھی فصل "فی النبات"، "کتاب النباتات" کے مباحث پر۔ پانچویں فصل "فی الحیوان"، "کتاب الحیوانات" کے مباحث پر اور چھٹی فصل "فی الانسان"، "کتاب النفس" کے مباحث پر مشتمل ہے۔

طبیعیات کی طرح "قسم الٰہیات" میں بھی تین فنون ہیں، پہلا فن "فی تقاسیم الوجود" امور عامہ پر ہے دوسرا فن "فی العلم بالصانع وصفاتہ" واجب الوجود اور اس کے احکام پر ہے اور تیسرا فن ملائکہ (عقول مجردہ) پر۔ اس طرح پہلا فن ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کے مباحث کو حاوی ہے۔ دوسرا فن الٰہیات کے ان مسائل پر مشتمل ہے جن کا اضافہ شیخ بوعلی سینا نے کیا تھا۔ تیسرا فن عقول مجردہ نوفلاطونی الٰہیات کے ان مسائل پر محیط ہے جن میں عقول عشرہ کے ذریعہ صدور کائنات کے دقیق مسئلے سے بحث کی جاتی ہے۔ خاتمہ "نشأۃ اخریٰ کے احوال" میں ہے اس کے اندر بقائے نفس بعد فناء الجسد اور معاد کے مباحث شامل ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ "ہدایۃ الحکمۃ" اپنے صغیر الحجم ہونے کے باوجود فلسفہ کے جملہ اہم مسائل پر حاوی ہے۔

ہدایۃ الحکمۃ کے ساتھ علما کا اعتنا

اسی لیے علما نے شروع ہی سے اس کے ساتھ شرح و تحشیہ کے ذریعہ اعتنا کیا۔ "ہدایۃ الحکمۃ" کی شروح میں مولانازادہ، میرک شمس الدین محمد بن مبارک شاہ بخاری، معین الدین سالمی، سعد الدین مسعود بن محمد قزوینی، امین الدولہ اور خواجہ صاین الدین کی شرحیں مشہور ہیں۔ ان میں سے اوّل کے اندر مولانا زادہ کی شرح کا زیادہ رواج تھا، چنانچہ اس پر قاضی زادہ، شیخ محمد بن محمود المغلوی الوفائی، خواجہ زادہ اور خضر شاہ بن عبد اللطیف المنتشوی نے حواشی لکھے تھے۔

لیکن جب میر حسین میبذی نے جو محقق دوانی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے "ہدایۃ الحکمۃ" کی شرح لکھی، جو بعد میں ان کے نام پر "میبذی" کہلائی، تو پھر عام طور سے اسی (میبذی کی شرح ہدایۃ الحکمۃ) کا رواج ہو گیا۔ چنانچہ امام الدین ریاضی نے اس کی اہمیت و افادیت کے بارے میں لکھا ہے:

"و میر حسین یزدی میبذی قدس اللہ سرہ العصری شاگرد مولانا جلال الدین اسعد صدیقی دوانی است و در خطبۂ کتاب شرح ہدایۃ الحکمۃ بلفظ امد اللہ جلالہم اشارہ بایں معنی نمودہ۔ و آں کتاب حسنۂ عظیمہ غریبہ ایست از حسنات میر حسین کلیم سہ ایست از بستان سرائے سیادت و مجموعہ ایست از نتائج فکر و لایت با وجازت الفاظ فصیحہ و بلاغت معانی ملیحہ جامع عبارات بدیعہ و اشارات لطیفہ است و ایں ضعیف بر آں شرح حاشیہ نوشتہ و نہایۃ الحکمۃ نام کردہ۔" (تذکرہ باغستان ورق ۱۷۶ ب)

چنانچہ اکثر علمائے نامدار نے اس پر حواشی لکھے مثلاً مولیٰ مصلح الدین محمد بن صلاح الدین اللاری، نصر اللہ بن محمد الخلخالی وغیرہ۔ مگر ان سب سے اہم فخر الدین استرآبادی کا حاشیہ تھا۔ اسی سے متاثر ہو کر صدرائے شیرازی نے "ہدایۃ الحکمۃ" کی شرح لکھی جو ان کے نام پر "صدرا" کہلاتی ہے۔

ہندوستان میں "شرح ہدایۃ الحکمۃ" (میبذی) کا رواج

ہندوستان میں "میبذی" کے پڑھنے پڑھانے کا رواج دسویں صدی سے ملتا ہے۔ مآثر رحیمی کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے کہ ملا خوش حال تاشقندی مولانا وجیہ الدین گجراتی سے "شرح ہدایۃ الحکمۃ" پڑھتے تھے لہٰذا جلد ہی علمی حلقوں میں اس پر تحشیہ کا رواج ہو گیا۔ ان حواشی میں مولانا محمد حسن علمی، مفتی نور الحق (صاحب زادہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)، اور قاضی نور اللہ شوستری کے حاشیے زیادہ مشہور ہوئے۔ متاخرین میں امام الدین ریاضی نے "نہایۃ الحکمۃ" کے عنوان سے اس پر حاشیہ لکھا جس کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے لیکن زیادہ شہرت و مقبولیت مولانا عین القضاۃ صاحب کے حاشیہ کو ہوئی۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور میبذی (شرح ہدایۃ الحکمۃ) کا تحشیہ

ظاہر ہے یونانی اسلامی فلسفہ کا یہ اہم شاہکار علامہ سیالکوٹی کی مجلس درس اور اعتنا سے کس طرح بچ سکتا تھا لہٰذا انھوں نے بھی اس پر ایک مفید حاشیہ لکھا۔

(و) علم الصرف

مراح الارواح

مراح الارواح کا مختصر تعارف

"مراح الارواح" احمد بن علی بن مسعود کا عربی صرف میں ایک مشہور متن ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"وھو مختصر نافع متداول"۔

(وہ مراح الارواح صرف میں ایک مختصر اور مفید متن ہے جو درس میں عام طور سے مروج ہے۔

(کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۱۵۱۴)

مراح الارواح کے ساتھ علمائے روم کا اعتنا

"مراح الارواح" کا روم میں آٹھویں صدی ہجری ہی سے پڑھنے پڑھانے کا رواج تھا۔ چنانچہ اس صدی کے ایک مشہور عالم مولیٰ حسن پاشا ابن علاء الدین نے اس کی شرح لکھی۔ بعد میں دیگر اساتذہ نے اس کی شروح لکھیں، جن میں مولیٰ احمد المعروف بدیکغوز، تاج الدین عبد الوہاب بن ابراہیم الشافعی، عبدالرحیم بن خلیل الرومی، قرہ سنان، مولیٰ مصطفےٰ بن شعبان، مولیٰ مصنفک، ابن ہلال، ابن کمال پاشا، علامہ بدرالدین عینی کی شرحیں زیادہ مشہور ہیں۔ ان علمائے نامور کے اعتنا سے اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ہندوستان میں مراح الارواح کے ساتھ سرد مہری

لیکن ہندوستان میں اس کتاب کے ساتھ کوئی خاص اعتنا نہیں کیا گیا نہ یہاں اس کے ساتھ شرح و تحشیہ کا کوئی چرچا سنائی دیتا ہے۔ صرف آخری زمانہ میں نواب صدیق حسن خاں نے "تصریف الرباح" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

راقم الحروف کے بچپن میں جب اس کے استاد حضرت مولانا عبدالغفار صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز حرمین شریفین کے ساتھ دیگر ممالک اسلامیہ کی سیر و سیاحت کر کے آئے تھے تو غالباً وہاں سے اس درسی روایت کو بھی لائے تھے اور انھوں نے اس عاجز کو باقاعدہ "مراح الارواح" پڑھائی تھی۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور مراح الارواح کا حاشیہ

غالباً علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علمائے روم کی علمی و درسی روایات سے متاثر تھے اور علمائے روم کے دوش بدوش افادہ و افاضہ میں مصروف تھے۔ لہذا انھوں نے بھی "مراح الارواح" کے ساتھ اعتنا کیا اور اس پر حواشی تحریر کیے۔

(ذ) علم النحو

ا۔ تکملہ حاشیہ عبدالغفور

کافیہ کا مختصر تعارف

"کافیہ" علم نحو میں شیخ جمال الدین ابی عمرو عثمان بن عمرو کا (جو ابن حاجب مالکی کے نام سے مشہور ہیں) مشہور متن ہے۔ اس کی اہمیت اور شہرت کے بارے میں حاجی خلیفہ نے لکھا ہے؛

"وھو مختصر معتبر شہرتہ مغنیۃ عن التعریف"۔

(وہ ایک مختصر اور قابل اعتماد متن ہے جس کی شہرت نے اسے تعریف سے بے نیاز کر دیا ہے۔)

(کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۲۴۹)

کافیہ کے ساتھ علما کا اعتنا

غالباً کم کتابوں کے ساتھ اس درجہ اعتنا کیا گیا ہوگا جتنا "کافیہ" کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جن علمائے نامدار نے "کافیہ" کی شروح لکھیں یا ان شروح پر حواشی لکھے، ان کے ناموں کا استقصا مشکل ہے۔ مشاہیر شراح میں خود مصنف (ابن حاجب) کے علاوہ شیخ رضی الدین محمد بن الحسن الاستر آبادی النحوی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ان کی "شرح کافیہ" کے بارے میں جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے:

"لم یولف علیھا بل ولا فی غالب کتب النحو مثلہ جمعاً و تحقیقاً۔"

(رضی کی شرح کافیہ) کے مانند جمع مسائل اور تحقیق میں کوئی اور شرح تالیف نہیں ہوئی، بلکہ عام نحو کی اکثر کتابوں میں اس جیسی اور کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

دوسرے مشہور شارح مولانا جامی تھے، جن کی شرح "الفوائد الضیائیہ" اپنی شہرت کی بنا پر انھیں کے نام سے (شرح جامی) موسوم ہو گئی ہے اور جو آج تک ہمارے مدارس میں کافیہ کے ساتھ داخل درس ہے۔

کافیہ کا رواج ہندوستان میں قدیم زمانہ سے رہا ہے۔ غالباً یہ آٹھویں صدی ہجری کے ربع اول میں ہندوستان میں متعارف ہوئی اور شیخ نظام الدین اولیا رحمہ اللہ کے مرید خاص مولانا فخر الدین زرادی نے اسے حل کیا (سیر الاولیا)۔ لیکن متقدمین علمائے ہند میں سے سب سے پہلے عالم جن کا نام کافیہ کی شرح کے سلسلے میں یاد رکھا گیا ہے، ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی تھے۔ ان کی شرح جو ہندوستان سے باہر "شرح ہندی" کے نام سے مشہور تھی، عرصہ تک علمائے روم و عجم کے تحشیہ کا موضوع بنی رہی۔ مشاہیر علمائے ولایت میں سے مولی توقانی، خطیب ابوالفضل گازرونی اور میر غیاث الدین منصور نے اس پر حواشی لکھے۔

ملک العلما کے علاوہ ہندوستان میں ان کے نواسے شیخ صفی الدین ردولوی نے "غایۃ التحقیق" کے نام سے "کافیہ" کی شرح لکھی۔

حاشیہ عبدالغفور اور اس کا پس منظر

اوپر "شرح جامی" کا حوالہ آچکا ہے جو آج بھی مدارس عربیہ کے درس میں داخل ہے۔ علما و مدرسین نے اس شرح کے ساتھ بھی اصل متن "کافیہ" سے کم اعتنا نہیں کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ملا عصام الدین اسفرائنی نے اس پر حاشیہ لکھا اور اکثر مقامات پر مولانا جامی پر اعتراضات کیے۔

اس لیے مولانا جامی کے شاگرد رشید مولانا عبدالغفور لاری نے ایک حاشیہ لکھا جس میں ملا عصام کے اعتراضات کا جواب دیا، مگر وہ اسے مکمل نہ کر سکے۔ (کشف الظنون جلد ثانی صفحہ ۲۵۰-۲۵۱)

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور حاشیہ عبدالغفور کی تکمیل

ملا عبدالغفور کے اس غیر مکمل "حاشیہ" کی تکمیل علامہ عبدالحکیم سیالکوٹیؒ نے کی جو "تکملہ حاشیہ عبدالغفور" کے نام سے مشہور ہے۔

۲۔ حاشیہ علی حاشیہ عبدالغفور

"حاشیہ عبدالغفور" کے بعد

ملا عبدالغفور لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام الدین اسفرائنی کے اعتراضات کا جواب دیا۔ بعد میں ان دونوں مطارحات پر دوسرے علما نے محاکمہ کیا۔ چنانچہ مولی مصلح الدین لاری نے اپنے حاشیہ میں ملا عصام اور ملا عبدالغفور دونوں کے حواشی سے تعرض کیا۔ اس قسم کا دوسرا

محاکمہ مولانا عیسیٰ بن محمد صفوی الایجی (المتوفی ۹۵۵ھ) نے کیا۔ ان کے بعد ابراہیم المامونی الشافعی نے ملا عبدالغفور کے حاشیہ پر حاشیہ لکھا جس میں مولانا عیسےٰ بن محمد صفوی کے حاشیہ سے استفادہ کیا۔

حاشیہ عبدالغفور ہندوستان میں

"کافیہ" اور "شرح جامی" کا ہندوستان میں بہت زیادہ رواج رہا ہے۔ اس سلسلے میں "حاشیہ عبدالغفور" کا بھی منتہی طلبہ کے درمیان رواج تھا۔ چنانچہ یہ کتاب یہاں طبع بھی ہوئی۔ ممکن ہے علمائے ہند نے بھی تحشیہ کے ذریعہ اس کے ساتھ اعتنا کیا ہو مگر کسی محشی کا نام نہیں مل سکا۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اور "حاشیہ عبدالغفور" کا تحشیہ

اس سلسلے میں صرف علامہ سیالکوٹی ہی کا نام ملتا ہے، جنھوں نے "تکملہ حاشیہ عبدالغفور" کے علاوہ اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا۔

(ذ) بلاغت

۱۔ حاشیہ مطول

"مفتاح العلوم" سکاکی

"مطول" "تلخیص المفتاح" کی ایک مبسوط شرح ہے جسے علامہ سعد الدین تفتازانی نے ۷۴۸ھ میں لکھا تھا۔

"تلخیص المفتاح" (یا محض "تلخیص") سراج الدین ابویعقوب سکاکی کی مشہور تصنیف "مفتاح العلوم" کا اختصار ہے۔ سکاکی کی "مفتاح العلوم" مختلف علوم ادب (صرف، نحو، بلاغت، عروض) کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب جلد ہی علما کے یہاں درس میں داخل ہو گئی اور اکثر علما نے اس پر شروح لکھیں۔ ان میں قطب الدین شیرازی، سعدالدین تفتازانی اور میر سید شریف کی شروح خصوصیت سے مشہور ہیں۔

ہندوستان میں بھی "مفتاح العلوم" کا شروع ہی سے رواج رہا ہے چنانچہ آٹھویں صدی ہجری میں مولانا معین الدین عمرانی نے جو سعد الدین تفتازانی کے استاد قاضی عضد الدین الایجی کے ہم عصر تھے، "مفتاح العلوم" پر دیگر درسی کتابوں کے ساتھ حاشیہ لکھا۔ ان کے علاوہ حسین بن خالد ناگوری نے حسب تصریح "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" (صفحہ ۳۹) "مفتاح العلوم" کی قسم ثالث پر ایک مبسوط شرح لکھی تھی۔

بعد میں علما نے اس کے مختصرات تیار کیے۔ ان اختصار نگاروں میں بدر الدین محمد بن مالک الدمشقی بدر الدین محمد بن یعقوب الحموی، مولی احسن المعروف بالمعانچی کے نام خاص طور سے مشہور ہیں۔ ان کے علاوہ قاضی عضد الدین الایجی (مصنف المواقف فی الکلام) نے "مفتاح العلوم" کو "فوائد غیاثیہ" کے نام سے مختصر کیا۔ "فوائد غیاثیہ" پر ملا محمود جونپوری (صاحب شمس بازغہ) نے "فوائد" کے نام سے شرح لکھی۔

"تلخیص المفتاح"

لیکن "مفتاح العلوم" کے اختصاروں میں سب سے زیادہ مقبولیت شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن بن عمر القزوینی الشافعی المعروف بہ خطیب دمشق (المتوفی ۷۳۹ھ) کے اختصار کو ہوئی جو "تلخیص المفتاح" کے نام سے مشہور ہے۔ "تلخیص المفتاح"، "مفتاح العلوم سکاکی" کی القسم الثالث کا اختصار ہے جو معانی، بیان اور بدیع کے فنون پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین فنون نیز ایک خاتمہ پر مشتمل ہے؛ مقدمہ فصاحت و بلاغت کی تعریف پر، فن اول علم معانی پر، فن ثانی علم بیان پر اور فن ثالث علم بدیع پر مشتمل ہے۔ خاتمہ سرقات شعریہ کی بحث پر ہے۔

بہر حال اس ملخص ("تلخیص المفتاح") نے جلد ہی اصل ("مفتاح العلوم") کی جگہ حاصل کر لی اور اکثر افاضل علما نے اس پر شروح لکھیں۔ چنانچہ حاجی خلیفہ چلپی نے لکھا ہے:

"ولما کان ھذا المتن مما یتلقی بحسن التلقی والقبول اقبل علیہ معشر الافاضل والفحول واکب علی درسہ وحفظہ اولو المعقول والمنقول و	اور چونکہ یہ متن ان کتابوں میں سے ہے جنھیں قبول عام نصیب ہوا اور جن کا فضلائے وقت نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا تو افاضل علما کے گروہ نے اس کی جانب خصوصی توجہ دی اور علمائے معقول و منقول اس کے درس

مدار کا مسلہ محط رحال تحریرات الرجال وضبط انوار الافکار و مزدحم آراء البال۔ (کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۳۲۳)

تدریس میں لگ گئے اور یہ مختص (تخلیص المفتاح) اپنے اصل (مفتاح العلوم) کی طرح لوگوں کی نگارش کا موضوع ان کے غور و فکر کی روشنیوں کے پڑنے کی جگہ اور مختلف آراء و اقوال کے ازدحام کی جگہ بن گیا۔

چنانچہ اس فرط اعتنا کے نتیجے میں جن فحول علما نے اس پر شروح لکھیں، حاجی خلیفہ نے "کشف الظنون" میں ان کی ایک خاصی طویل فہرست دی ہے۔

"مطول" تفتازانی

لیکن شراح "تخلیص" میں سب سے زیادہ قبول عام سعدالدین تفتازانی کی شروح کو نصیب ہوا۔ الفحول نے "تخلیص المفتاح" کی دو شرحیں لکھیں: ایک مبسوط جسے ۷۴۸ھ میں "المطول" کے نام سے مکمل کیا اور دوسری مختصر جسے "مختصر المعانی" کے نام سے ۷۵۶ھ میں غجدوان کے اندر تکمیل کو پہنچایا۔ ان دونوں کتابوں کی مقبولیت کے بارے میں حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

"وهما اشهر شروحه واكثرها تداولاً لما فيهما من حسن السبك و لطف التعبير فانهما تحرير بحريره" (کشف الظنون جلد اوّل صفحہ ۳۲۴)

اور وہ دونوں تفتازانی کی شروح میں سب سے زیادہ مشہور ہیں اور ان کا سب سے زیادہ رواج ہے کیوں کہ ان کا انداز بیان عمدہ اور اسلوب تعبیر بڑا لطیف ہے۔ آخر تو وہ ایک عالم تحریر ہی کی نگارش ہیں۔

"مطول" کے ساتھ علما کا اعتنا

چنانچہ جن علمائے نامدار نے "مطوّل" پر حواشی لکھے ان میں میر سید شریف، مولیٰ حسن بن محمد شاہ فناری، ملا خسرو، ابو القاسم بن ابی بکر اللیثی السمرقندی، مرزا جان شیرازی، شیخ الاسلام احمد بن یحییٰ بن محمد العفید الهروی، مصلح الدین محمد لاری، علاء الدین علی بن محمد الشاہرودی البسطامی المشتہر بمصنفک، مولیٰ احمد بن عبد اللہ القریمی، مولانا احمد طاشی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان البسطامی، شیخ یوسف السیرافی المصری، سید عثمان الات بازاری، مولیٰ حسن بن عبد الصمد السامسونی، مولیٰ نظام الدین عثمان الخطابی کے نام مشہور ہیں۔

اس کثرت اعتنا سے کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"مطول" ہندوستان میں

ہندوستان میں بھی "مطول" کے ساتھ درس و تحشیہ کے ذریعے غیر معمولی اعتنا کیا گیا۔ اس صدی کے نصف اول تک "مطول" (تا بحث ما انا قلت) درس نظامی کے اعلیٰ نصاب میں شمول تھی۔ اردو کے مشہور شاعر میر نے لکھا ہے کہ انھوں نے دہلی کے ایک استاد سے "مطول" پڑھی اور اس کے بدلے وہ انھیں اپنے صبح کا ناشتہ حاضر خدمت کیا کرتے تھے (ذکر میر)۔ اس سے کتاب کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

لہٰذا اکثر علمائے کبار نے "مطول" پر حواشی لکھے۔ جن میں شیخ طاہر بن رضی ہمدانی، مولانا وجیہ الدین گجراتی، قاضی نور اللہ شوستری، مفتی وجیہ الدین گوپاموی خاص طور سے مشہور ہیں۔ متاخرین فضلائے ہند میں سے سید محمد بن محمد قنوجی، شیخ نور الدین بن محمد صالح گجراتی، مولانا نور الدین کشمیری، قاضی نجف علی بن عظیم الدین جھجری، قاضی عبد النبی احمد نگری، شیخ فرید الدین احمد آبادی، شیخ جمال الدین بن رکن الدین گجراتی، حکیم معز الدین خالص پوری کے حواشی کا ذکر ملتا ہے (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند صفحہ ۲۹)۔

علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی اور "مطول" کا تحشیہ

ظاہر ہے ایسی اہم کتاب علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کی توجہ سے کس طرح محروم رہ سکتی تھی۔ لہٰذا وقت کے عام دستور کے مطابق آپ نے بھی علوم بلاغت کے اس شاہکار ("مطول") پر ایک محققانہ حاشیہ لکھا۔

۲۔ حاشیہ شریفیہ

میر غلام علی آزاد نے علامہ سیالکوٹی کی تصانیف میں "حاشیہ شریفیہ" کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر یہ نام مبہم ہے۔ متداول درسی کتابوں میں "شریفیہ" "سراجیہ" کی شرح کا نام ہے جو علم الفرائض میں ہے۔

شریفیہ (؟)

ویسے میر سید شریف جرجانیؒ نے جن کتابوں پر حواشی لکھے ہیں وہ "میر" یا "شریفیہ" کے اضافے کے ساتھ مشہور ہیں چنانچہ "قطبی" (شرح شمسیہ) پر ان کا حاشیہ "میر قطبی"، "ایساغوجی" پر ان کا حاشیہ "میر ایساغوجی" اور اسی طرح "مطول" پر ان کا حاشیہ "میر مطول" (اس کی مزید بحث آگے آ رہی ہے)

کے نام سے مشہور ہیں۔ قاضی نور اللہ شوشتری نے حواشی "شرح مطالع" اور "حواشی قطبی" کو "شریفیہ شریفیہ" کے اضافے کے ساتھ لکھا ہے چنانچہ "مجالس المومنین" میں محقق دوانی کے "حاشیہ حواشی شرح مطالع" کو "حاشیہ قدیم بر شرح مطالع و حواشی شریفیہ شریفیہ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

"شریفیہ" (؟ میر مطول)

میر غلام علی آزاد نے "حاشیہ شریفیہ" کا ذکر "حاشیہ مطول" کے فوراً بعد کیا ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس سے مراد میر سید شریف کا "حاشیہ مطول" ہو جو عام طور سے "میر مطول" کے نام سے مشہور ہے۔ میر سید شریف کے سعد الدین تفتازانی کے ساتھ بڑے ناخوش گوار تعلقات تھے اس لیے اکثر ان پر حریفانہ چوٹیں کی ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے "حاشیہ مطول" میں بھی ان پر اعتراضات کیے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے لکھا ہے:

"(میر مطول) وهي على اوائله وفيها اعتراضات على الشارح وتحقيقات لطيفة ترتاح اليها آذان الاذهان"

میر سید شریف کا حاشیہ "مطول" کے ابتدائی حصے پر ہے جس میں انھوں نے شارح (تفتازانی) پر اعتراضات کیے ہیں۔ اس میں بڑی لطیف تحقیقات کی گئی ہیں جن کی طرف ذہنوں کے کان راغب ہوتے ہیں۔

بعد میں ان اعتراضات کا جواب ملا خسرو نے اپنے حاشیہ میں دیا۔

"میر مطول" کے ساتھ علما کا اعتنا

میر سید شریف کے "حاشیہ مطول" پر جن لوگوں نے حواشی لکھے ان میں مولانا مصلح الدین مصطفیٰ بن حسام الرومی کا حاشیہ اس لیے مشہور ہے کہ اس میں ملا خسرو کے جوابی اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ دوسرا مشہور حاشیہ مولیٰ یوسف بن حسین الکرماستی کا ہے۔ ایک اور حاشیہ شریف مرتضیٰ نے لکھا تھا۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا "حاشیہ شریفیہ"

چونکہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے اپنی تصنیفی سرگرمیوں میں بہت کچھ علمائے روم کی تصنیفی روایات کا تتبع کیا تھا، اس لیے ممکن ہے کہ "حاشیہ شریفیہ" علامہ سیالکوٹی کے "میر مطول" (مطول پر میر سید شریف کے حاشیہ) پر حاشیہ کا نام ہو۔ واللہ اعلم بالصواب